ربّی ساؤل آف ٹپلٹز
ترجمہ۔ محمد اسلم رانا

ایک یہودی پیشوا کے حیران کُن انکشافات

یہودی عزائم اور منصوبہ بندی

قوم یہود یا بنی اسرائیل کا سلسلۂ تاریخ ساڑھے تین چار ہزار سال پیچھے تک جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اور ان کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا۔ انہی حوالوں سے یہ قوم، یہودی، بنی اسرائیل یا اسرائیلی کہلاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات اور شریعت عطا کی۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کے دور میں اس قوم نے سیاست اور حکومت میں عروج پایا اور اسی زمانے میں بیت المقدس میں ان کی مقدس عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہوئی ——— یہی بیت المقدس جہاں مسجد اقصیٰ کی شکل میں مسلمانوں کا قبلہ اول موجود ہے

یہود کی نافرمانیوں اور عصیاں شعاریوں کے باعث قدرت نے بار بار ان پر دوسری اقوام کو غلبہ دیا۔ فراعنہ مصر نے انہیں غلامی کے شکنجے میں کسا تو حضرت موسیٰؑ نے نجات دلائی۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں شاہِ بابل بخت نصر نے ہیکل سلیمانی سمیت بیت المقدس کو تاخت و تاراج کیا اور دس لاکھ یہودیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر عراق لے گیا۔ مگر یہ سخت جان قوم بچ نکلی۔ اور پھر بیت المقدس پہنچ گئی۔ دوسری بار رومیوں نے ہیکل سلیمانی مسمار کیا اور یہودیوں کو فلسطین سے کھدیڑ دیا اور پھر یہ بدبخت قوم ساڑھے اٹھارہ سو برس تک دنیا میں ماری ماری پھرتی رہی اس دوران میں مسلمانوں نے انہیں اسپین، ترکی اور دوسرے علاقوں میں پناہ دی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی فوجیں بیت المقدس پر قابض ہو گئیں اگلے ۳۱ برسوں میں برطانوی حکومت کے سائے تلے صیہونی سازش پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ دنیا بھر سے لاکھوں یہودی آ کر فلسطین میں آباد ہوتے رہے اور پھر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو مغربی سامراجیوں کی سرپرستی میں عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کے نام سے یہودی مملکت قائم ہو گئی جس نے لاکھوں

فلسطینیوں کو جبراً ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر دیا۔ جون ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں بیت المقدس بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا جہاں مسجد اقصیٰ کو گرا کر یہودی ازسر نو ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی دنیا میں کہیں بھی بستے ہوں ان کی امیدوں آرزوؤں کا مرکز ارض فلسطین اور موجودہ اسرائیل ہے۔ روسی یہودی تارکین وطن اسرائیل پہنچ کر اس کی افرادی قوت میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔ تو ساٹھ لاکھ امریکی یہودی اس غاصب مملکت کے سب سے بڑے پشت پناہ ہیں۔ یہودیوں نے قلیل تعداد میں اور منتشر ہونے کے باوجود کس طرح اپنے آپ کو متحد رکھا ہے اور صفحہ ہستی سے معدوم ہونے سے کس طرح بچے رہے۔ یہ سمجھنے کے لئے اس عیار قوم کے نفسیاتی مطالعے کی ضرورت ہے۔ اور ایک یہودی مذہبی رہنما کا حسب ذیل مضمون اس مطالعے کی ایک دلچسپ کڑی ہے۔

یہودی مذہب ایک لطیف تبلیغی اور پیچیدہ طریق زندگی ہے ہماری کتاب عبادات کے الفاظ میں "تمام تعلقین کے لئے زندگی کا درخت ہے"۔

ایک شخص دوسرے کو جو بہترین تحفہ دے سکتا ہے وہ امید ہے۔ ناامیدی بے کسی کی طرف لے جاتی ہے تمام قوموں میں صرف یہودیوں نے شکست پر غلبہ پایا۔ اور قنوطیت کو تسخیر کیا ہے۔ جب ہر امید دم توڑ جاتی تو یہودی نئی امیدیں باندھ لیتے۔ یہودی کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور مایوسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتا پچھلی صدی کے ایک بہت بڑے ماہر اخلاقیات یہودی کا قول ہے۔ "انسان پر لازم ہے کہ اپنی غلطیاں نکالے اور ساتھیوں کی مدد کرے"۔

اگر ہم یہودی ایمان کا خزانہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو چاہیے کہ ہم پرانے راستے تلاش کر کے انہیں کھود نکالیں ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی میراث کا ادب و احترام سے تنقیدی جائزہ لیں۔ ہمیں ماضی یا حال کے بجائے ان کے بین بین رہنا چاہئے۔ اس طرح کہ ہماری نگاہیں مستقبل پر مرکوز ہوں۔ اگر ہم حال میں رہیں تو اس جہاز کے مانند ہیں جس کا لنگر نہ ہو کیونکہ ماضی سے صرف نظر کرنا حال کو مفلس بنانا ہے۔ اور اگر ہم فقط ماضی میں رہیں تو حال سے ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مشہور سائنسدان لوتھر بربن بینک کا کہنا ہے کہ تھوہر اور اس نوع کے پودوں پر حفاظتی کانٹے اُگے ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا بھی یہی حال ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام روئے زمین پر سے یہودیوں کا نام و نشان اور شناخت مٹانے کے درپے رہی ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے گرد اپنی حفاظت اور بقا کے لئے کانٹے اُگا رکھے ہیں وہ کانٹے

یہودی اتحاد و یک جہتی ہیں۔

صرف بے اصول یہودی حادثات کا شکار ہو سکتا ہے۔ ہماری سوچ اس نہج کی ہونی چاہئے گویا ساری قوم یہود کا دارومدار ہم پر ہے۔ تین ہزار برس پرانے ایک کتبے کے مطابق اسرائیل برباد ہو چکا ہے۔ اس کی نسل قریب الاختتام ہے۔ اس کے باوجود جب فریڈرش اعظم سے پوچھا گیا کہ خدا کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت کیا ہے تو اس نے جواب دیا "یہودیوں کا بچے رہنا"۔

یہودی تعلیمات کی رو سے ہر دور میں خدا کا ہر انسان سے ایک ہی سوال ہے کہ "تو کہاں ہے؟" ہماری زندگیوں کی کارکردگی ان کی طوالت کے بجائے انہیں گزارنے کے طریقے سے جانچی جائے گی۔ زندگی کی پیمائش کاموں، خیالات اور احساسات سے کی جاتی ہے۔ نفس پرستی کے بجائے محبت، دولت کی جگہ دانائی اور سیم و زر کے بجائے نیکی یہودی ایمان کا جوہر ہے۔

عبرانی زبان میں انسان کو آدم کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کا مادہ اپنے اندر زمین اور خدا کی شبیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ انسان ایک حقیر مخلوق ہے یا خدا کا مقبول بندہ۔ انسان اپنی منزل پر نہیں پہنچ پایا۔ ہمیشہ رواں دواں ہے۔ پیدائشی طور پر انسان کامل نہیں اس میں تکمیل کی صلاحیت ضرور موجود ہے۔ یہودیت سکھاتی ہے کہ ہمارے مخفی قویٰ ہمیں بالائی فضاؤں میں بلند ہونے کو ابھارتے ہیں جب کہ ہم میں ایسی صلاحیت پوشیدہ ہے جو ہمیں تحت الثریٰ تک گرانے کو بے قرار ہے۔

مذہب کو آزمائے بغیر اس پر ناقص ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ مذہب کو مشکل جان کر اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ مذہب زندگی سے فرار نہیں، زندگی ہے۔ مذہب کا مطلب راستبازی سے زندگی گذارنا ہے۔ سچا مذہب محض عقیدہ نہیں طریق زندگی ہوتا ہے۔

حال ہی میں اسرائیلی سپریم کورٹ کو صدیوں پرانا سوال درپیش ہوا کہ "یہودی کون ہے؟" مدتوں سے یہ سوال جواب دینے والوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ پرتگالی زبان کی لغات میں یہودی "دھوکہ باز" کو کہتے ہیں۔ قدیم ویبسٹر ڈکشنری میں فعل "یہودی کرنا" کے معنی ہیں "سودا کرنا یا دھوکہ دینا"۔ ژاں پال سارتر کی رائے میں "جس شخص کو دوسرے یہودی سمجھیں وہ یہودی ہے"۔

یہودی اس کے سوا بھی ہے۔ دنیا بھر میں صرف ہم لوگ ہیں جو ایک مذہب سے متعلق ہیں جس میں کوئی اور فرقہ نہیں۔ ہم واحد مذہبی گروہ ہیں جو ایک ملک سے مربوط ہے یہودیوں کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ روحانی اور معاشرتی مذہبی ایمان کے ذریعے ہم خدا سے متعلق ہیں اور ایک قوم کی حیثیت سے اسرائیل کے ملک سے جو ہماری قومیت کا نقطہ ارتکاز ہے۔ ایک یہودی کا عموداً خدا سے اور افقی طور پر اپنے لوگوں سے رابطہ ہوتا ہے۔ یہودی زندگی کے یہ

دو پہلو بالفعل ایک اور ناقابلِ شکست ہیں۔

خدا کی ہم آہنگ کائنات میں ہمارا سوال ہے۔

"میں کیا ہوں؟" اور جواب ہے "کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ خدا ہے۔ وہی سب کچھ ہے۔ ہمارے ہاں خدا کے سینکڑوں نام ہیں۔ خدا باپ ہے۔ دوست ہے۔ مالک کائنات ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ "تُو" ہے۔ ہمیشہ اسرائیل کا خدا ہے۔ خدا کا ایک نام زمین بھی ہے۔ کیونکہ زمین پر کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو ہر پہاڑی پر اس کے ستارے چمک رہے ہیں منکر خدا کہتا ہے۔ خدا کہیں نہیں۔ خدا پرست کہتا ہے خدا یہیں ہے ہمیں خالق کی مخلوق ہونا بھول گیا ہے۔ حالانکہ اس کے بغیر ہم نامکمل ہیں۔

اس صدی کے مشہور یہودی فلاسفر فرانز روزنز نوگ نے یہودیوں کی بے چینی کا سبب یہودی گھروں سے روحانیت کا فقدان بتایا ہے۔ اس کا کہنا ہے۔

یہودیت "ایک خالی پرس" رہ گیا ہے۔ حقیقی مذہب کی عدم موجودگی میں مروجہ مذہبی تعلیم کا کچھ فائدہ نہیں مذہب وہ ہے جو آنکھ سے دکھائی دے۔ منہ سے چکھا جا سکے۔ کان سے سنا جا سکے۔ غرضیکہ عملی زندگی میں جاری و ساری ہو۔ گھر بدر کر دئے جانے کی صورت میں یہودیت سے بارآوری کی توقع عبث ہے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں ایک نئے نظریے نے جنم لیا۔ "انسان کے انسان سے غیر انسانی سلوک" کے بجائے اب ہم انسان کی طرف سے انسان کو معاف کر دینے کے علمبردار ہیں۔ انسان آسانی سے اپنے بھائی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جارج برنارڈ شاہ رقمطراز ہے:۔

"لوگوں کے ساتھ ہمارا بدترین گناہ ان سے نفرت کرنا نہیں ان سے بے اعتنائی برتنا ہے"! یہودیت کی قدیم سے یہ تعلیم ہے کہ خوف، حسد اور نفرت کے جذبات بآسانی جگائے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے محبت کرنی ہے۔ آگ جنگل کو ایک ہی دن میں جلا کر خاکستر کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتی ہے لیکن وہ راتوں رات اُگ نہیں سکتا۔ اچھے نظریات کی پیدائش کے لئے ہمارا ایک دوسرے پر اعتماد اور مدد کرنا ضروری ہے اس کے لئے جہد مسلسل کبھی کبھار تکلیف برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلے اور عزم کی ضرورت ہے۔

یہودیت کی تعلیم ہے کہ روحانی آزادی کے بغیر جسمانی آزادی بے وقعت ہے۔ ممکن ہے یونان نے نسلِ انسانی کو فلسفہ دیا ہو، ایران نے بنی نوع انسان کو خیالی پلاؤ پکانے سکھائے ہوں اور فنیقیہ نے دنیا کو بحری سفر سکھایا ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہودیت نے حضرت انسان کو آزادی کا فن سکھایا ہے۔ مصر سے خروج کے بعد آزادی نے ہمیشہ اسرائیلی لہجے میں بات کی ہے۔ بھائی چارے کا مطلب یہ نہیں کہ سبھی ہمارے بھائی ہیں مل بیٹھنے کا مطلب یہودیت سے مداہنت نہیں تاہم ضروری ہے کہ ہم رواداری اور مفاہمت کی فضا پیدا کریں جہاں ہر دو مذہب ایک دوسرے کے مفادات کو پھلنے پھولنے اور پنپنے دیں۔